ڈاکٹر روبینہ ترین

دکنی مثنوی کا جائزہ تاریخی اور تہذیبی تناظر میں

ہند مسلم کلچر کے دل آویز مظاہر کی تفہیم و تحسین' دھرتی اور آکاش (عقیدے) کے ملاپ کے معانی کی مختلف سطحوں پر غور کیے بغیر ممکن نہیں۔ اردو زبان ہو یا امیر خسرو اور یا پھر جنوبی ہند میں وفور تخلیق کی ترنگ کا منبع' اس سرزمین کی عورت کا بنیادی کردار ہے۔ وہ شاعری کا موضوع تو تھی ہی۔ ابتدا میں تو اس نے خود شاعر کے لیے عاشق کا نسائی قالب بھی تیار کیا' یوں لوک شاعری کی ریتیں اردو شاعری کے ابتدائی دور کے مرکزی رنگ میں گھل مل جاتی ہیں۔ 'ہندوستان کی تاریخ بشریات' زبانوں اور سیاست پر سنجیدگی کے ساتھ لکھنے والوں کو ہمیشہ جنوبی ہند نے مسحور کیا ہے۔ یہاں آریاؤں کے دھکیلے ہوئے قدیم ترباشندوں دراوڑ' کول اور منڈا لوگوں نے تیلگو' ملیالم اور کنڑی میں ممکن ہے انتظار حسین سے صدیوں پہلے سوچا ہو'' آگے سمندر ہے'' دیوندر ستیارتھی نے'' گاتا جا ہندوستان'' میں اس دھرتی کے لال رنگ کا ذکر کیا ہے۔ ابراہیم جلیس' کرشن چندر اور دیگر ترقی پسندوں نے اس دھرتی پر بسنے والے انقلاب پسندوں کا رومانوی انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ آج سری لنکا اپنے ہاں کی شورش میں' بھارت یہاں کے اقلیتی مسلمانوں کے اضطراب میں اور پاکستانی کشمیر کے سیاسی مقدمے کے تقابل میں ریاست حیدر آباد کا ذکر کرتا ہے اور اردو زبان و ادب کی تاریخ کا کوئی بھی طالب علم سنجیدگی سے کلاسیکی سرمائے کا جائزہ لینے لگتا ہے تو اس کے ہاتھ بھی اسی بوقلموں زمین سے دریافت ہونے والے شعری و نثری اوراق آتے ہیں۔

اس مضمون میں' میں بھی دکنی مثنوی کے جائزے کے سلسلہ وار نکات بیان کرنے سے پہلے پس منظر کے طور پر چار باتوں کی وضاحت ضروری خیال کرتی ہوں:

علاء الدین خلجی اور اس کے سپہ سالار ملک کافور نے ۱۳۱۴ء میں دکن اور گجرات فتح کیے اور ۱۳۲۸ء میں محمد تغلق نے دیوگڑھ کو دولت آباد قرار دے کر پایہ تخت بنایا اور ۱۳۴۷ء میں حسن بہمن سے اٹھارہ حکمرانوں پر مشتمل بہمنی دور آتا ہے جو ۱۵۲۹ء میں ختم ہوتا ہے' چودھویں حکمران محمود شاہ کی حکومت بیدر تک محدود ہو جاتی ہے اور باقی دکنی سلطنت چار خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

Scanned by CamScanner

۱۔ بیجاپور کے علاقے پر عادل شاہی سلطنت ۱۴۸۹ء تا ۱۶۸۵ء، گولکنڈہ کے خطے پر قطب شاہی ۱۵۱۲ء تا ۱۶۸۶ء، احمد نگر کی سرزمین پر نظام شاہی ۱۴۸۹ء تا ۱۶۳۳ء، اور برار کے علاقے پر عماد شاہی سلطنت قائم رہتی ہے۔ ۱۵۲۶ء میں امیر برید بہمنی دور کے آخری سلطان کلیم اللہ سے بیدر کے علاقے کی بادشاہت چھین لیتا ہے' بیجاپور اور گولکنڈہ کے شیعہ حکمران علم دوست ثابت ہوتے ہیں۔

۲۔ عادل شاہی خاندان کی پہلی ملکہ ایک مرہٹے امیر مکٹ راؤ کی لڑکی پوجی خانم تھی' اسی کا بیٹا اسماعیل عادل شاہ تھا' محمد عادل شاہ جیسے علم دوست اور ادب پرور حکمران کے دل کو موہ لینے والی ایک اور خاتون رنبھا رانی کا نام بھی تاریخ اور تاریخ ادب میں محفوظ ہے۔

۳۔ دکن کی ان مسلمان ریاستوں کی مغلوں کے ساتھ آویزشوں کے نتیجے میں جو لٹریچر یہاں مغلوں کی ہوسِ اقتدار کے خلاف لکھا گیا' وہ پشتو اور پنجابی زبانوں کے اسی قسم کے موضوع پر لکھے جانے والے جنگ ناموں کی یاد دلاتا ہے۔

۴۔ ریاست حیدر آباد کی جامعہ عثمانیہ اور اس کے دیگر علمی اداروں سے وابستہ افراد کی محققانہ کاوشیں تسلیم کی جانی چاہییں' جن کی بدولت آج اردو زبان و ادب کی تاریخ کو وسعت اور گہرائی ملی ہے۔ ان میں محی الدین قادری زور [1] ' شمس اللہ قادری [2] ' نصیر الدین ہاشمی [3] ' عبدالقادر سروری [4] اور مولوی عبدالحق [5] شامل ہیں۔

اردو ادب کی تاریخ میں دکن کا علاقہ خاص طور پر اہم ہے کہ اس زبان کے ادب کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ لیتے ہوئے تمام تر ابتدائی صورتیں ہمیں دکن کے علاقے ہی میں ملتی ہیں۔ نثر ہو یا شاعری کی کوئی بھی صنف اس کی ابتدائی و ارتقائی شکل ہمیں دکن کے علاقہ ہی سے دستیاب ہوتی ہے۔ وہ دور جو اس زبان کا تشکیلی دور ہے' جب زبان کے نہ تو معیار مقرر ہوئے تھے نہ اس کا کوئی ابتدائی سرمایہ ہی تھا بلکہ شمال سے آنے والے لسانی اثرات' کچھ شمال دکنی کے جذبات اور پھر اہل دکن کا نئی تشکیل پانے والی زبان کو آزادی سے برتنے کا شوق ایسا تھا کہ جس نے ابتدا میں صوفیائے کرام کے ہاتھوں اور پھر بہمنیہ دور کے سلاطین کی سرپرستی میں اس دور کے 'دکنی' کہلوانے والی زبان کو ادبی تخلیقات کے لیے استعمال کیا اور بہت جلد اس زبان نے دکن میں موجود دیگر زبانوں اور خاص طور پر وہاں کی بڑی زبانوں تیلگو' مرہٹی' کنڑی تلنگی کی جگہ لے لی۔

Scanned by CamScanner

ماضی میں جنوب کی ریاستیں (بیجاپور، گولکنڈہ، احمد نگر، برار اور بیدر) کبھی شمال کا حصہ رہیں اور کبھی انھوں نے آزاد و مختار حیثیت اختیار کی اور خود مختار حیثیت میں انھوں نے فارسی سے رشتہ توڑنا چاہا تو دکنی زبان کا سہارا لیا۔ (یہ وہی زبان تھی جو اس زمانے میں شمال میں دہلوی کہلاتی تھی) پہلے بہمنیہ سلاطین کے زیر اثر پھر خاص طور پر گولکنڈہ اور بیجاپور کے علاقوں میں قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کے زیر اثر بڑی تیزی سے اس زبان میں اہل قلم نے شعر و ادب کی تخلیق میں حصہ لیا۔ اس بنا پر اس زبان نے شمال سے کہیں پہلے اور شمال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ترقی کی۔ چنانچہ دکنی سرمائے کا جائزہ لیں تو نثر، مثنوی، غزل، مرثیہ، قصیدہ، ترجیع بند و رباعیات کی صورت میں اردو کا بے پناہ خزانہ دستیاب ہے۔ دکن کا نہ صرف لسانی ماحول شمال سے مختلف تھا بلکہ تہذیب و تمدن بھی شمال سے علیحدہ تھا۔ انھوں نے شمال کے زیر اثر ہند ایرانی کلچر کو قبول کرتے ہوئے بھی دکن کی مقامی روایات کو ترک نہیں کیا۔ تمام دکنی شعر و ادب کے سرمائے میں یہ ارضی رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ان شعرا نے بیشتر اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن سب سے زیادہ جس صنف کو برتا وہ مثنوی تھی اور اس کی وجہ یقیناً یہاں کے امن و امان، معاشی و ذہنی فراغت کے ساتھ ساتھ صوفیاء کرام کی تخلیق کردہ مثنویاں بھی تھیں جنھوں نے اپنے نظریات کی تبلیغ کے لیے اس صنف کو برتا تھا۔ مثنوی کے لغوی معنی دو یا دہرا کرنا یا دو جزو والی شے کے ہیں، جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم وزن اور ہم قافیہ ہوں (الف الف / ب ب / ج ج) مثنوی میں ردیف کا استعمال عموماً کم ہوتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی [6] تو مثنوی کے لیے مخصوص بحروں کے دعوے سے انکار کرتے ہیں مگر فارسی اور اردو میں عام طور پر سات بحروں کو استعمال کیا گیا ہے (متقارب مثمن مقصور، رمل مسدس مقصور، ہزج مسدس مقصور، خفیف مسدس مطوی مجنوں مقصور، متدارک مثمن، مجنوں مقطوع، متقارب مثمن، اثرم مقبوض، متقارب مثمن اقلم)۔ اردو مثنوی کی تاریخ گواہ ہے کہ اس کے ابتدائی نمونے یا ابتدائی سرمایہ تمام تر ان صوفیانہ مثنویوں پر مشتمل ہے جو دکن کے بزرگان دین کا تخلیق کردہ رہا۔ جن میں خواجہ بندہ نواز گیسودراز، شمس العشاق شاہ میراں جی، شاہ برہان الدین جانم، شاہ امین الدین اعلیٰ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر مہ نور زمانی بیگم کا خیال درست ہے کہ:

> ''صوفیاء نے حسب تقاضہ مختلف مقامی زبانوں کے الفاظ شامل کر کے اپنے وقت کے غالباً عام فہم انداز میں، اپنے خیالات اور نظریات کو عوام کے گوش

Scanned by CamScanner

گزار کرنا شروع کر دیا۔ ابتدا تو انھوں نے یہاں کی عام مقبول اصناف' دوہا' گیت اور ہمولنا وغیرہ کی صورت میں اپنے خیالات پیش کیے' مگر جلد ہی مثنوی کے پیرائے کو مستقل طور پر اختیار کر لیا۔ ان کی تخلیق کردہ متصوفانہ مثنویوں میں سے بعض بلاواسطہ تصوف کے موضوع پر مبنی ہیں اور بعض نیم متصوفانہ مضامین کی حامل ہیں' جن میں تصوف کے علاوہ مذہبی یا اخلاقی امور کو بھی شامل کر لیا گیا ہے' ان مثنویوں کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ علاقائی زبانوں کے الفاظ' ان کے اصل صوت و لہجے کے مطابق نہیں برتے گئے ہیں۔ پھر بھی انھوں نے اپنے ماحول کے تقاضے کے پیش نظر مروجہ زبان کو برت کر دوسروں کو بھی اسے سمجھنے' بولنے اور برتنے کی طرف راغب کیا ہے۔'' [7]

ڈاکٹر وزیر آغا نے تو ''اردو شاعری کا مزاج'' متعین کرتے ہوئے مثنوی کو بھی ہیئت کے طور پر نہیں اس کے عشقیہ مزاج کے اعتبار سے پہچاننے کی تلقین کی ہے۔ (ص ۳۰۷) مگر دکن میں تخلیق کردہ اردو مثنوی کے سرمائے کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے مذہبی' اخلاقی' صوفیانہ اور پند و نصیحت کے موضوع پر مثنویاں لکھنے کے علاوہ' تاریخی' رزمیہ' بزمیہ' عشقیہ موضوعات کو بھی اپنایا۔ اس کے مآخذ کے لیے انھوں نے خالص ہندوستانی قصوں اور دوسرے موضوعات پر مشتمل تخلیقی مثنویاں بھی لکھیں۔ عربی' فارسی' ترکی اور سنسکرت زبان سے اخذ شدہ قصوں کو موضوع بنانے کے ساتھ ساتھ طبع زاد مثنویاں لکھیں۔ دکنی دور میں جو مثنویاں لکھیں گئیں ان میں صرف خیالی باتیں ہی نہیں کی گئیں بلکہ ان میں زندگی کی عکاسی اور ترجمانی کی گئی مثلاً اس زمانے کے لوگوں کے معاملات و مسائل' بعض تاریخی واقعات' بادشاہوں کے حالات' مذہبی عقائد اور دینی معاملات کو ان مثنویوں میں پیش کیا گیا۔ اس زمانے کی زندگی کے جذباتی اور انفرادی مسائل بھی ان مثنویوں میں دکھائی دیتے ہیں لیکن ان مسائل کو ان شعراء نے محض روایتی انداز میں پیش نہیں کیا بلکہ جو کچھ انھوں نے دیکھا اور محسوس کیا ان کی حقیقت سے واقفیت اور بھرپور ترجمانی ان مثنویوں میں کی گئی۔ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم دکنی مثنوی کی متنوع موضوعات کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''مثنوی نگاروں کے فکر و خیال سے شاید ہی انسانی سماج کا کوئی شعبہ چھوٹا ہو جو تقسیم انسانی سماج کے مختلف پہلوؤں کی ہوگی وہی ان مثنویوں کے لیے

Scanned by CamScanner

مناسب ہوگی۔ یہاں تک کہ بعض سائنسی علوم اور طبی موضوعات پر مثنوی نگاروں نے اظہار خیال کیا ہے۔ قصہ یا داستان کا ذکر کرتے ہوئے انسانی اور سماجی نفسیات کے عمدہ مرقعے پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی نباتات' جمادات' جانور' پیڑ پودے' پھل' پھول' جنگل' دریاؤں اور پہاڑوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے تو شادی بیاہ' پیدائش و موت' سماجی رسم و رواج' طور طریقوں' بازاروں' مختلف قسم کی محفلوں' مجلسوں' درباروں' خانقاہوں اور عبادت گاہوں کا ذکر ملتا ہے۔ انواع و اقسام کے کھانے' زیوارت اور لباس بھی شاعروں کا موضوع رہے ہیں۔ کہیں جنگ و جدل کے واقعات قلم بند کیے گئے ہیں تو کہیں رقص و سرود کی محفلیں نظر آتی ہیں۔ میدان کارزار کا ذکر جنگی ہتھیار کی تفصیلات کے ساتھ ملے گا۔''[8]

دکنی مثنوی کے اس دور میں لوگوں نے جو سوچا جس طرح خیالات ونظریات قائم کیے ان کی ترجمانی بھی ان مثنویوں میں کی اس لیے بعض جگہ مفکرانہ امور فلسفیانہ رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ اگر چہ دکنی ادب کے ذکر میں ان نثری تحریروں کا ذکر تقدیماً کیا جاتا ہے جو صوفیائے کرام کے رسائل و ملفوظات پر مشتمل ہیں لیکن اس سے بھی پہلے اردو نظم کا وجود ملتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیق کے مطابق اردو کی پہلی منظوم تخلیق فخر الدین نظامی کی مثنوی، کدام راؤ پدم راؤ، ہے جو ۸۲۵ھ / ۱۴۲۱ اور ۸۳۸ھ / ۱۴۳۴ کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئی۔ یہ مثنوی اس ابتدائی دور کی یادگار ہے جب دکنی شعر و ادب مقامی قصے کہانی کی روایت میں گندھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نویں صدی ہجری کی ادبی تصنیفات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''اس دور کی سب سے پہلی تصنیف، جو اب تک دریافت ہوئی ہے، فخر الدین نظامی کی مثنوی، کدم راؤ پدم راؤ'' ہے۔ اس مثنوی کا اب تک ایک نسخہ معلوم ہے جو ناقص الاوسط ہے اور کم از کم دو تین صفحات آخر کے بھی کم ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اس مثنوی کا اصل نام کیا تھا۔ مثنوی کے دو مرکزی کرداروں کے نام پر اسے ''کدم راؤ پدم راؤ'' کا نام دیا گیا ہے۔''[9]

ڈاکٹر محبوب اعلیٰ قریشی بھی ڈاکٹر جمیل جالبی کی بات سے متفق ہیں کہ ''دبستان دکن میں اردو کی

Scanned by CamScanner

قدیم ترین مثنوی جو اب تک دستیاب ہوسکی ''کدم راؤ پدم راؤ'' ہے۔ اس کا مصنف فخر الدین نظامی ہے۔ نظامی، احمد شاہی بہمنی کا شاعر ہے۔''[10]

اردو تحقیق کے لیے یہ در کھلا رہنا چاہیے کہ زمانی اعتبار سے اولیت کس مثنوی کو حاصل ہے اردو کی ابتدائی مثنویوں میں اشرف بیابانی کی مثنویاں لازم المبتدی، واحد باری، نوسرہار اور شمس العشاق شاہ میرانجی کی مثنویاں خوش نامہ، خوش نغز، شہادت التحقیق اور مغز مرغوب شامل ہیں جو نویں صدی ہجری ہی میں لکھی گئیں اور تصوف کے موضوع پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد دکنی مثنویاں کثرت سے عادل شاہی (۸۹۵ھ۔۱۰۹۷ھ/۱۴۸۹ء۔۱۶۸۵ء) اور قطب شاہی (۹۱۶ھ۔۱۰۹۸ھ/ ۱۵۱۲ء۔۱۶۸۶ء) دور میں لکھی گئیں جو موضوعات کے اعتبار سے بزمیہ، رزمیہ، عشقیہ اور صوفیانہ مثنویوں پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ یہاں اردو شعر و ادب کا ایک طویل دور موجود ہے تاہم مثنویوں کی تخلیق پہ خصوصی توجہ دی گئی۔ ڈاکٹر محبوب اعلیٰ قریشی لکھتے ہیں:

> ''دکن میں اردو شاعری کا پہلا باوقار اور زریں دور مثنویوں کا ہی دور ہے۔ اس عہد میں تقریباً سینکڑوں مثنویاں لکھی گئیں، جن میں سے زیادہ تر مبسوط، طویل اور ضخیم ہیں۔ یہی وہ دور ہے جب اردو میں بزمیہ کے علاوہ تاریخی مثنویاں بھی اچھی خاصی تعداد میں لکھی گئیں۔''[11]

یہ مثنویاں اپنی زبان و بیان اور فنی مزاج کے اعتبار سے کہنگی یا فرسودگی لیے ہوئے کیوں نہ ہوں پھر بھی ان کی سماجی، تہذیبی، ثقافتی اہمیت مسلم ہے کیوں کہ ان میں اُس عہد کی معاشرت، تہذیب اور طرز زندگی کے عمدہ مرقعے موجود ہیں اور دکنی معاشرہ کی زندگی کے لیے ان مثنویوں کا مطالعہ مفید ہے۔ اگرچہ بعد میں بھی بہت سی مثنویاں لکھی گئیں اُن کا دکنی مثنویوں سے مقابلہ کیا جائے تو اُن میں سے بہت کم ان کے سامنے ٹھہرتی ہیں۔ مثنویوں کے متنوع موضوعات ہیں۔ کچھ فارسی سے ماخوذ ہیں۔ طبع زاد مثنویوں کی بھی کمی نہیں۔ عاشقانہ موضوعات پر اعلیٰ پائے کی مثنویاں لکھی گئیں۔ تاریخ، سوانح، تصوف اور فلسفہ غرض کسی موضوع کو ان شعراء نے نظر انداز نہیں کیا۔ ان میں بعض جگہ واقعہ نگاری، منظر نگاری، جزئیات نگاری اور جذبات نگاری کے عمدہ نمونے سامنے آتے ہیں۔ ہم اگر دکنی مثنویوں کی فنی حوالے سے چند خصوصیات کو ہی سامنے رکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اُس دور کے مثنوی نگاروں کو زبان کے ساتھ ساتھ اظہار بیان پر بھی قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے مثنوی نگاری میں ایسے تجربے کیے ہیں

Scanned by CamScanner

کہ جو آج بھی دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیق کرنے والوں کے لیے مددگار بھی ثابت ہوئے ہیں۔ مثنوی کی ہیئت میں اختراعات اور قصہ کی بُنت نے اس عہد کی مثنوی کو یادگار بنا دیا ہے۔ اس دور کی مثنوی نگاری کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ دکن کے مثنوی نگاروں کا کمال ہے کہ انہوں نے قصہ کے حوالے سے داستانوی طرز پر قصہ در قصہ کی روایت کو اپنایا۔ اس حوالے سے ان کا تخیل کہیں ماورائی دنیا کی تصویر دکھاتا ہے تو مافوق الفطرت عناصر، دیو، پریاں، بادشاہ، شہزادے، وزیر، نجومی، بزرگ یا عامل کے کردار ملتے۔ واقعہ کچھ بھی ہو ان کرداروں کا عمل، گفتگو، لباس، رسوم و رواج، تہوار سب دکنی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ''پھول بن'' (ابن نشاطی)، قطب مشتری (ملا وجہی) گلشن عشق اور علی نامہ (نصرتی)، میزبانی نامہ (حسن شوقی)، خاور نامہ (کمال خاں رستمی)، چندر بدن اور مہیار (مقیمی) سیف الملوک و بدیع الجمال (غواصی) جیسی مثنویوں کا مطالعہ دکنی تہذیب و ثقافت کا خصوصی مطالعہ ہے۔

۲۔ ایسی مثنویاں لکھی گئیں جن میں اس عہد کی زندہ شخصیات کو مرکزی کردار بنا کر اس کے حوالے سے محل کی زندگی، بادشاہوں کو پیش آنے والی مہمات، سیاسی و سماجی حوالے، دکن کا جغرافیہ اور تاریخی واقعات کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ان مثنویوں کی حیثیت رزمیہ، بزمیہ اور تاریخی مثنویوں کی ہے مثلاً ابراہیم نامہ (عبدل)، سیف الملوک و بدیع الجمال (غواصی)، چندر بدن اور مہیار (مقیمی) میزبانی نامہ اور فتح نامہ نظام شاہ (حسن شوقی) علی نامہ اور تاریخ سکندری (نصرتی)

۳۔ موضوعات کے علاوہ دکن کے اکثر شعراء نے مثنوی میں تاریخ تصنیف اور مدت تصنیف تحریر کرنے کی روایت ڈالی کہیں ''خاتمہ'' میں اور کہیں قصہ کے آغاز ہی میں صراحت کر دی مثلاً

(۱) تمام اس کیا دیس بارا منے (بارہ دن)
سنہ ایک ہزار ہور اٹھارا منے (۱۰۱۸ ہجری) (قطب مشتری۔ ملا وجہی)

(۲) بچن پھول گوندیوں براہیم نام
کیا سبھی پر برس بارہ تمام (۱۰۱۲ ہجری) (ابراہیم نامہ از عبدل)

(۳) ہزار اور ایک سو اسی ہیں اور آٹھ (۱۱۸۸ ہجری)
کہ باندھا اس عمارت کا تو میں ٹھاٹھ (تصویر جاناں از کچھی نارائن شفیق اورنگ آبادی)

Scanned by CamScanner

(۴) برس یک ہزار ہور پنج تیس میں (۱۰۳۵ ہجری)
کیا ختم یو نظم دن تیس میں (۳۰ دن) (سیف الملوک و بدیع الجمال۔غواصی)
(۵) ع سس ہور اسی پر جو تھے تین سال (۱۰۸۳ھ) (تاریخ اسکندری۔نصرتی)

۴۔ دکنی مثنویوں میں کچھ شعراء نے نام کی صراحت بھی کردی۔

(۱) ہوا جس وقت میں اتمام اس کا
کیا ختم یو نظم دن تیں میں (کچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی)

(۲) کیا رستمی اس وقت یو کتاب بندیا بات کے گوہراں بے حساب
خاور نامہ دکنی کہیا ہوں نام ہوا خاور اچھے ناں پر قصہ سب تمام
(کمال خان رستمی)

(۳) یو ''پھول بن'' تیں مہینے لگ لگایا
پنم کا چاند ہو پورا تو آیا (ابن نشاطی)

(۴) قطب مشتری میں جو بولیا کتاب
سو ہوئی جگ میں روشن کہ جوں آفتاب (ملا وجہی)

(۵) رکھیا ہوں گلشن عشق اسم رنگین قصے کا میں
کرے جس حجب کے پھولاں کی فلک شوقوں سے گلدانی (گلشن عشق۔نصرتی)

۵۔ بعض دکنی مثنویوں کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ انہوں نے اس میں دیگر شعری اصناف کو شامل کیا۔ ویسے تو ہر مثنوی کا آغاز حمد، نعت، خلفائے راشدینؓ کے لئے چند اشعار حضرت علیؓ کے لیے کچھ اشعار اور پھر بادشاہ وقت کی مدح کے بعد قصہ شروع ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان مثنوی نگاروں نے قصہ کی ضرورت کی خاطر یا دلچسپی پیدا کرنے کے لیے غزل، قصیدہ اور رباعی کے اشعار شامل کیے ہیں۔ پھول بن، مینا وستونتی، قطب مشتری میں غزلیں ہیں۔ ''قطب مشتری'' میں سات غزلیں ہیں خاص طور پر قلی اور مشتری کے درمیان اظہار عشق یا جدائی کے موقع پر غزلوں سے کام لیا ہے۔ علی نامہ، قطب مشتری، ماہ پیکر میں رباعیات ملتی ہیں۔ علی نامہ اور ابراہیم نامہ میں مختصر قصیدے بھی ہیں۔

۶۔ دکنی مثنویوں میں عنوانات قائم کر کے مثنوی کو مختلف ابواب میں تقسیم بھی کیا گیا ہے اور اکثر

Scanned by CamScanner

عنوانات سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اس حصے میں کیا ہوگا۔ نصرتی نے مثنوی ''گلشن عشق'' کے ہر حصے کے آغاز میں عنوان کی بجائے شعر لکھا۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام ایسے اشعار کو اکٹھا کر لینے سے مثنوی کا خلاصہ تیار ہوسکتا ہے۔ قطب مشتری میں محمد قلی اور مشتری کے فراق اور وصال کے مواقع پر غزل سے پہلے عنوانات ہیں۔ نصرتی کی تصنیف ''علی نامہ'' میں قصیدوں کے عنوانات دیے گئے ہیں۔

۷۔ دکن کے شعراء نے مثنویوں میں اچھوتی تشبیہوں، استعاروں، تلمیحوں، محاوروں اور صنعتوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ جس سے مثنویاں اور بھی زیادہ خوبصورت اور دلچسپ ہوگئی ہیں۔

۱۔ اچھیں نین اس کیں کالے منے
کہ مچھلیاں دو پنڑیاں ہیں جالے منے (قطب مشتری۔ ملا وجہی)

۲۔ تج گال پر نگہ کا نشان دستا ہے مجہ اس بات کا
روشن شفق میں جگمگے جیوں چاند پہلی رات کا (شاہی)

۳۔ بندھا ہر حرف میں یوں میں قرینہ
بوجھے سچہ بھی یہ صنعت کا نگینہ (پھول بن۔ ابن نشاطی)

۴۔ نظر کر کہ میں دیکھتا ہوں جسے
تو ہر گھٹ (جسم) کے گھر میں دِواتوں دِسے (علی نامہ۔ نصرتی)

ڈاکٹر محبوب اعلیٰ قریشی لکھتے ہیں:

''دبستان دکن میں بہت زیادہ مثنویاں لکھی گئیں۔ ان مثنویوں میں کہیں ایرانی اور اسلامی روایات کا رنگ ملتا ہے تو کہیں ہندوستانی فضا۔ یہاں عشقیہ، تاریخی، رزمیہ، متصوفانہ ہر رنگ کی مثنوی موجود ہے۔ یوں تو قدیم دکنی شعر و ادب کے سرمایہ کی بازیافت گزشتہ چار پانچ دہوں کی بات ہے۔ ڈاکٹر زورؔ، مولوی عبدالحق، پروفیسر سروری، مولوی نصیر الدین ہاشمی کی مساعی کی بدولت دکنی ادبیات کے چند منتخب نمونے منظر عام پر آچکے ہیں۔(12)

دکنی مثنویوں کے اس سرسری جائزے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اردو شعر و ادب نے سب سے پہلے دکن میں ارتقائی مراحل طے کیے۔ بہمنیہ دور سے لے کر ابوالحسن تانا شاہ کے زمانے تک دکن میں خاص طور پر اردو شاعری نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کیں۔ اگرچہ دکنی شعرا نے زبان کی طرف

Scanned by CamScanner

زیادہ توجہ نہ کی تاہم اس زبان میں نثر و شاعری کے اوّلین نمونے وہیں سے ملتے ہیں۔ نثر کے ساتھ ساتھ منظومات کا بھی خاصا ذخیرہ دکن ہی سے دستیاب ہوتا ہے۔ بہمنیہ سلطنت جب پانچ حکومتوں میں تبدیل ہوگئی تو خاص طور پر قطب شاہیوں اور عادل شاہیوں کے دور میں اس زبان کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ بے شمار شاعر دکن میں ایسے سامنے آئے جنہوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور ادبی لحاظ سے اس زبان کو مالا مال کیا۔ اس زمانے میں بیشتر مثنویاں لکھی گئیں۔ اس صنف کی ایسی عظیم روایت قائم کی کہ آنے والے دور میں مثنوی نگاروں نے اسی روایت کو اپنانے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ کیا۔ آج بھی ان مثنویوں کو زبان کی قدامت کے علاوہ ہر لحاظ سے بعد میں لکھی گئی مثنویوں کے مقابلے میں رکھا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یہ مثنویاں ابتدا میں ادب کی ترویج و ترقی کے لئے نہیں بلکہ سماجی فلاح و بہبود اور خاص خاص مسلک کی تبلیغ اور صوفیانہ خیالات کو پھیلانے کے لیے وجود میں آئی تھیں۔ تاہم وہ اپنے تخلیقی رنگ کے اعتبار سے اس طرح چھا گئیں کہ جب زبان کا دامن وسیع ہونے لگا تو شعراء نے متصوفانہ و اخلاقی مثنویوں کو بتدریج آگے بڑھایا اور عشقیہ، رزمیہ، بزمیہ اور تاریخ کے موضوعات بھی اُردو مثنوی کا حصہ بن گئے۔ ابتدا میں صوفیا کے یہاں مثنوی خالصتاً تخلیقی اور طبع زاد ہے پھر آہستہ آہستہ دوسری زبانوں کے قصوں سے اخذ و استفادہ کی روایت شروع ہوئی ہے۔ پھر بھی ان دکنی مثنوی نگاروں نے دکنی ماحول، رسوم و رواج، تہذیب و معاشرت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ دکن میں لکھی گئی تمام مثنویوں کی حیثیت اردو شعر و ادب کے ساتھ ساتھ دکن کی تاریخ کی بھی ہے۔

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

۱۔ اردو شہ پارے، سلطان محمد قلی قطب شاہ، تذکرہ اور مخطوطات

۲۔ اردوئے قدیم

۳۔ دکن میں اردو، دکنی کلچر

۴۔ اردو مثنویات، حضرت سراج اور ان کی شاعری

۵۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ، قدیم اردو، نصرتی، مرحوم دہلی کالج، مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر، معراج العاشقین کے علاوہ کئی مرتبہ ملفوظات، تذکرے اور دواوین

۶۔ درس بلاغت، ترقی اردو بیورو، دہلی

۷۔ ''دکنی متصوفانہ مثنویوں کی تدریس اور اس کے مسائل'' فکر و تحقیق، جلد نمبر ۱، ترقی اردو بیورو، دہلی، ص ۱۷

۸۔ تدریس مثنوی، ص ۱۲۰ ایضاً

۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر۔ تاریخ ادب اردو، جلد اول، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۷۵ء، ص ۱۶۰

۱۰۔ محبوب اعلیٰ قریشی، ڈاکٹر۔ اردو مثنویوں میں جنسی تلذذ، تخلیق کار پبلشرز، دہلی، ص ۴۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۷۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۷۹۔۸۰

ماخذات

۱۔ عبدالحق، ڈاکٹر۔ ''نصرتی'' سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۱۱۲، کراچی، اشاعت دوم ۱۹۶۱ء

۲۔ نصیرالدین ہاشمی۔ دکن میں اردو، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، پانچواں ایڈیشن ۱۹۶۰ء

۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔ اردو کی منظوم داستانیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی اشاعت اول ۱۹۷۱ء

۴۔ قمر رئیس، ڈاکٹر (مرتبہ)، اردو میں لوک ادب، سیمانت پرکاشن، دلی ۱۹۹۰ء

۵۔ گیان چند، ڈاکٹر۔ اردو کی ادبی تاریخیں، سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۲۰۰۰ء

Scanned by CamScanner